رسائل و مسائل

تعلیمات قرآن کے متعلق بحث

(٦) رسالت اور اس کے احکام

صحبت گذشتہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ نبوت کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ ایک انسان جو تمام حیثیات سے دوسرے انسانوں جیسا انسان ہو ایک خاص عمر کو پہنچنے کے بعد خدا کی طرف سے نزول وحی کے لیے چن لیا جائے۔ اور بجز اس کتاب کے جو اس پر نازل کی گئی ہو اور کسی بات میں بھی اس کی رائے، اس کے خیالات، اس کے اعمال، اس کے احکام اور اس کے فیصلے غیر نبی انسانوں سے ممتاز نہ ہوں، جیسا کہ نام نہاد اہل قرآن کا گمان ہے، یا یہ کہ اس میں اور عام انسانوں میں صرف اتنا ہی فرق ہو کہ تنزیل کتاب کے ساتھ ساتھ اس کو احکام کتاب کی عملی تفصیلات بھی بتا دی گئی ہوں، اور اس خاص امتیاز کی حیثیت سے قطع نظر کر کے وہ عام امیروں جیسا امیر اور عام قاضیوں جیسا قاضی اور عام لیڈروں جیسا ایک لیڈر رہو، جیسا کہ مولنا اسلم جیراج پوری کا خیال ہے۔ اسی طرح نبوت کی حقیقت یہ بھی نہیں کہ نبی کی ذات بشریہ پر نبوت عارض ہوتی ہو اور اس کے عروض کے بعد بھی نبی کی بشریت اور اس کی نبوت دونوں علیحدہ علیحدہ ہوں حتیٰ کہ ہم اس کی زندگی کو دو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے صرف اس شعبہ کو اطاعت و اتباع کے لیے منتخب کر سکیں جو نبوت سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ ہمارے دوست چودھری غلام احمد صاحب پرویز کا خیال ہے۔ یہ تینوں خیالات بے اصل ہیں اور اس کے برعکس قرآن مجید سے نبوت کی حقیقت پر جو روشنی پڑتی ہے، اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ نبی اگرچہ بشر ہے، اور ان تمام حدود سے محدود ہے جو حق تعالیٰ

نے فطرت بشریہ کے لیے مقرر فرمائی ہیں، لیکن ان حدود کے اندر اس کی بشریت آخری اور انتہائی درجہ کی کامل و اکمل بشریت ہے جس میں وہ تمام قوتیں بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہیں، جو زیادہ سے زیادہ ایک انسان کو حاصل ہونی ممکن ہیں۔ اس کے جسمانی نفسانی اور عقلی و روحانی قویٰ عدل و تسویہ کے انتہائی مقام پر ہوتے ہیں۔ اس کے ادراکات اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ بلا کسی غور و فکر کے محض اپنے وجدان سے اُس الہام الٰہی کو پالیتا ہے جس کی طرف فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی فطرت اتنی صحیح ہوتی ہے کہ وہ کسی خارجی تعلیم و تربیت کے بغیر صرف اپنے میل طبعی سے فجور کی راہ چھوڑ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اس کا قلب اتنا سلیم ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں جو اس کے سامنے آئے اس آلہی ہدایت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیتا ہے جس کی طرف وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس کے قلب کی سلامت اور فطرت کی صحت اس کو خود بخود ان راستوں سے ہٹا دیتی ہے جو رضائے آلہی کے خلاف ہیں، اور وہ آپ سے آپ ان راستوں پر چلتا ہے جو مرضات الٰہی کے عین مطابق ہیں۔ یہی کامل و اکمل بشریت ہے جس کے ساتھ وہ صحیح معنوں میں بالفعل خدا کا خلیفہ ہوتا ہے، اور یہی چیز ہے جو اپنی پختگی اور اپنے کمال کو پہنچ کر ہدایت عامہ کے منصب پر سرفراز ہوتی ہے، حق تعالیٰ کی جانب سے علم کی مزید روشنی پاکر سراج منیر بنتی ہے، مصالح عامۃ البشریۃ کے لیے تعلیمات اور احکام کا مہبط قرار پاتی ہے، اور اصطلاح میں نبوت و رسالت سے موسوم ہوتی ہے۔

لہٰذا یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ نبوت ایک عرض ہے جو ایک خاص وقت میں نبی کے جوہر انسانیت پر عارض ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہی انسانیت کاملہ کا جوہر ہے جو نبوت کی استعداد کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے، اور فعلیت کی طرف ترقی کرتے کرتے آخر کار نبوت بنا دیا جاتا ہے۔ پس نبوت کا منصب ایسا نہیں کہ ایک انسان تھا جو اتفاقاً اُسے بنا دیا گیا حتی کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ بھی اس کی طرح اتفاقاً اسے بنایا جا سکتا تھا۔ بلکہ دراصل نبوت ایک پیدائشی چیز ہے، اور نبی کی حیثیت ذاتی ہی اس کی حیثیت نبوی ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا ہے کہ بعثت سے قبل اس کی حیثیت نبوی بالقوہ ہوتی ہے، اور بعثت کے بعد بالفعل ہو جاتی

ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے میٹھا پھل کہ وہ بالذات میٹھا پھل ہی ہے لیکن اس کی مٹھاس پختگی کی ایک خاص حد پر پہنچ کر ظاہر ہوتی ہے۔

اب ان آیات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور ذات نبوی کے حق میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمائی ہیں۔ میں توضیح مدعا کے لیے ان آیات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کرکے نقل کرتا ہوں۔

(۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (۳ : ۱۸)

اللہ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر اطلاع بخشے بلکہ وہ اس کام کے لیے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔

(۲) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴ : ۹)۔

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔

(۳) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴/۱۱)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

(۴) وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۵۳ : ۱)

تارے کی قسم جب وہ ٹوٹتا ہے، تمہارا صاحب (یعنی نبی) نہ گم کردہ راہ ہے اور نہ کج راہ ہے، اور نہ وہ ہوائے نفس سے بولتا ہے۔ وہ صرف وحی ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔

(۵) اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ (۶ : ۵)۔

میں صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر کی جاتی ہے۔

(۶) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳/۳)

تمہارے لیے رسول خدا میں ایک اچھا نمونہ ہے۔

(۷) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳ : ۴)۔

اے محمد! کہدو کہ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

(۸) اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا

مومنین کا کام تو یہ ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.. وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۲۴: ۷) -

کی طرف بلایا جائے تاکہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں...... اور اگر تم اس کی (یعنی رسول کی) اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

(۹) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۴/۹

پس قسم ہے تیرے پروردگار کی نہیں! وہ ہرگز مومن نہیں ہیں جب تک کہ وہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تجھ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں پھر تو جو کچھ فیصلہ کرے اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں، بلکہ سربسر تسلیم کریں۔

(۱۰) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا - (۳۳: ۵)

کسی مومن یا مومنہ کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دے تو ان کے لیے اپنے امر میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑگیا۔

ان آیات پر غور کیجئے تو تمام حقیقت آپ پر کھل جائے گی۔

۱- پہلی آیت میں نبی اور عام انسانوں کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ نبی پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنے غیب کا علم ہر انسان پر فرداً فرداً ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنے بندوں میں سے کسی خاص بندے پر ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے عام انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اس بندے پر ایمان لائیں۔

۲- دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ رسول پر ایمان لانے کا مدعا صرف یہی نہیں کہ اس کو رسولِ خدا مان لیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ یہ اطاعت کا حکم نہ صرف اس آیت

میں، بلکہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی دیا گیا ہے، مطلق ہے، مقید نہیں ہے۔ کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ رسول کی اطاعت فلاں فلاں امور میں ہے اور ان امور کے سوا کسی دوسرے امر میں نہیں ہے۔ پس قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے اس کا رسول ایک حاکم عام ہے۔ جو حکم بھی دے، مومنوں پر اس کا ماننا لازم ہے۔ یہ خود رسول کے اپنے اختیار میں ہے کہ الٰہی ہدایت کے ماتحت اپنی حکومت کے اقتدار کو مخصوص حدود کے اندر محدود کر دے، اور ان حدود سے باہر لوگوں کو رائے اور عمل کی آزادی بخش دے لیکن مومنوں کو ہرگز یہ حق نہیں کہ وہ خود رسول کے اختیارات کی حدبندی کریں۔ وہ مطلقاً محکوم و مامور ہیں۔ اگر رسول ان کو زراعت اور نجاری اور حدادی وغیرہ کے طریقوں میں سے بھی کسی خاص طریقے کو اختیار کرنے کا حکم دیتا تو ان کا فرض یہی تھا کہ بے چون و چرا اس حکم کی اطاعت کرتے۔

۴۔ جب اطاعت کا غیر مشروط اور غیر محدود حکم دیدیا گیا تو یہ بھی اطمینان دلانا ضروری تھا کہ نبی کی اطاعت، اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت نہیں ہے (جیسا کہ جاہل کفار کا خیال تھا، جو کہتے تھے کہ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۲۱: ۱) کیا یہ نبی تمہیں جیسا ایک بشر نہیں ہے؟ اور مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ (۲۳: ۲)۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر تمہارے ہی جیسا ایک بشر اور اس پر چاہتا یہ ہے کہ تم پر فضیلت حاصل کرے۔ اور وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۲۳: ۳) اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو تم ضرور ٹوٹے میں رہو گے)۔ در اصل یہ خدا کی اطاعت ہے۔ کیونکہ نبی جو کچھ کہتا ہے خدا کی طرف سے کہتا ہے اور جو کچھ عمل کرتا ہے خدا کی ہدایت کے ماتحت کرتا ہے۔ وہ خود اپنے نفس کی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ خدا کی وحی کا اتباع کرتا ہے اس لئے تم کو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ اس کی پیروی میں کسی قسم کی گمراہی اور غلط روی کا خطرہ نہیں ہے۔ یہی بات تیسری، چوتھی، اور پانچویں آیت میں بیان کی گئی ہے۔

ان آیات میں جس چیز کو وحی کہا گیا ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ ہے اور کتاب کے سوا کوئی

وحی ہی پر نازل نہیں ہوتی لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیا علیہم السلام پر صرف کتاب ہی نازل نہیں کیجاتی، بلکہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ وحی نازل کرتا رہتا ہے اور اسی وحی کی روشنی میں وہ سیدھی راہ چلتے ہیں، معاملات میں صائب رائے قائم کرتے ہیں، اور صحیح تدبیریں عمل میں لاتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کو دیکھیے۔ طوفان کی پیش بندی کے لیے اللہ کی نگرانی میں اور اس کی وحی کے ماتحت کشتی بناتے ہیں۔ (وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (۱۱: ۴) حضرت ابراہیم کو ملکوت السمٰوات والارض کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، اور مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دکھائی جاتی ہے۔ حضرت یوسف کو خوابوں کی تعبیر بتائی جاتی ہے (ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۱۲: ۵)۔ حضرت موسیٰ سے طور پر باتیں کی جاتی ہیں، پوچھا جاتا ہے کہ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ میری لاٹھی ہے اس سے بکریاں چراتا ہوں حکم ہوتا ہے اس کو پھینک دو، جب لاٹھی اژدہا بن جاتی ہے اور حضرت موسیٰ ڈر کر بھاگتے ہیں تو فرمایا جاتا ہے۔ يَا مُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ (۲۸: ۴)۔ پھر حکم دیا جاتا ہے کہ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ۔ وہ اپنی مدد کے لیے ہارون علیہ السلام کو مانگتے ہیں اور یہ درخواست قبول کی جاتی ہے۔ دونوں بھائی فرعون کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ (۲۰: ۲)۔ فرعون کے دربار میں سانپوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ ڈرتے ہیں تو وحی آتی ہے لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ (۲۰: ۳) جب فرعون پر اتمام حجت ہو چکتا ہے تو ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ (۲۶: ۴)۔ دریا پر پہنچتے ہیں تو فرمان آتا ہے اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ (۲۶: ۴) کیا ان میں سے کوئی وحی بھی ایسی ہے جو کتاب کی صورت میں ہدایت عام کے لیے نازل ہوئی ہو؟ یہ مثالیں اس امر کے ثبوت میں کافی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ ہمیشہ متوجہ رہتا ہے اور ہر ایسے موقع پر جہاں بشری فکر و رائے کے غلطی کرنے کا امکان ہو، اپنی وحی سے ان کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ اور یہ وحی اس وحی سے ماسوا ہوتی ہے جو ہدایت عام کے لیے ان کے واسطے سے بھیجی جاتی

اور کتاب میں درج کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کے لیے ایک الہی ہدایت نامہ اور دستور العمل کا کام دے۔

ایسی ہی وحی غیر متلو اور وحی خفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نازل ہوتی تھی جس کی طرف قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارے کیے گئے ہیں۔ حضور انور نے پہلے بیت المقدس کو قبلہ بنایا تھا۔ اس کے متعلق کوئی حکم کتاب اللہ میں نہیں آیا مگر جب اس قبلہ کو منسوخ کر کے بیت اللہ الحرام کو قبلہ بنانے کا حکم دیا گیا اس وقت ارشاد ہوا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا	جس قبلہ پر تم تھے اس کو ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا
لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ	تھا کہ رسول کا اتباع کرنے والے اور اتباع سے منہ موڑنے
عَلَىٰ عَقِبَيْهِ (۲: ۱۷)	والے کے درمیان امتیاز ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کو وحی الٰہی سے قبلہ بنایا گیا تھا۔ جنگ احد کے موقع پر حضور نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لیے فرشتے بھیجے گا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے اس کا ذکر قرآن میں اس طرح فرمایا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ (۳: ۱۳)	اللہ نے اس وعدے کو تمہارے لیے خوش خبری بنایا

ظاہر ہوا کہ یہ وعدہ اللہ کی طرف سے تھا۔ جنگ احد کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر ثانیہ کے لیے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ یہ حکم قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ مگر اللہ نے بعد میں تصدیق کی کہ یہ بھی اسی کی جانب سے تھا۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ	جن لوگوں نے لڑائی میں زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور
مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ (۳: ۱۸) -	رسول کی پکار پر لبیک کہا۔

جنگ بدر کے موقع پر حضور کے مدینے سے نکلنے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ (۸: ۱)	جس طرح تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے نکالا۔

گھر سے نکلنے کا حکم قرآن میں نہیں آیا۔ مگر بعد میں اللہ نے تصدیق فرمائی کہ یہ خروج اس کے حکم سے تھا نہ کہ اپنی رائے سے۔ اس سے پہلے حضور کو خواب میں جنگ کا نقشہ دکھا دیا گیا تھا جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (۱۷: ۶)۔ ہم نے جو خواب تم کو دکھایا تھا اس کو لوگوں کے لیے ہم نے محض ایک فتنہ بنا دیا۔

پھر عین جنگ کے موقع پر اللہ نے اپنے نبی کو خواب دکھایا:-

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا (۸: ۵) جب کہ اللہ ان کو قلیل بنا کر تیرے خواب میں تجھے دکھا رہا تھا

منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم صدقات پر ناک بھوں چڑھائی تو اللہ نے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا کہ یہ تقسیم خود حضرت حق کے ارشاد سے عمل میں آئی تھی:-

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ (۹: ۷)۔ اگر وہ راضی ہو جاتے اس حصہ پر جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر تمام صحابہ صلح کے مخالف تھے، اور صلح کی شرائط ہر شخص کو ناقابل قبول نظر آتی تھیں مگر اللہ کے نبی نے ان کو قبول کیا، اور اللہ نے بعد میں تصدیق کی کہ یہ صلح اسی کی جانب سے تھی

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (۴۸: ۱)۔ ہم نے تجھکو فتح مبین عطا کی۔

آیات کے تتبع سے اس قسم کی اور بہت سی مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔ مگر یہاں استقصار مقصود نہیں ہے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ کا تعلق پیغمبر کے ساتھ کوئی عارضی اور موقتی تعلق نہیں ہے کہ جب کبھی اس کو اپنے بندوں تک کوئی پیغام پہنچانا ہو بس اسی وقت یہ تعلق بھی قائم ہو اور اس کے بعد منقطع ہو جائے بلکہ دراصل حق تعالیٰ جس شخص کو اپنی پیمبری کیلئے منتخب فرماتے ہیں اس کی طرف وہ ہمیشہ ایک توجہ خاص کیساتھ متوجہ رہتے ہیں اور دائما اپنی وحی سے اس کی ہدایت و رہنمائی فرماتے رہتے ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی میں ٹھیک ٹھیک راہ راست پر گامزن رہے اور اس سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر

نہ ہونے پائے جو مرضاتِ الٰہی کے خلاف ہو۔ سورۂ نجم کی ابتدائی آیات میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ دراصل اسی حقیقت کا اظہار ہے، اور جیسا کہ میں اس مضمون کے پہلے حصہ میں عرض کر چکا ہوں، یہ بات بھی قرآن نے کھول کر بیان کر دی ہے کہ انبیا پر ہمیشہ اللہ کی نگرانی رہتی ہے، ان کو غلط روی سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اور اگر بتقاضائے بشریت ان سے کبھی کوئی لغزش ہوتی ہے، یا وہ وحیِ خفی کے لطیف اشارے کو سمجھنے میں کبھی غلطی کرتے ہیں، یا اپنے اجتہاد سے کوئی ایسی روش اختیار کرتے ہیں جو مرضاتِ الٰہی سے یک سر ہٹی ہوئی ہو، تو اللہ تعالیٰ فوراً ان کی اصلاح کرتا ہے، اور تنبیہ کر کے سیدھے رستے پر لے آتا ہے۔ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام کی لغزشوں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی تنبیہوں کا جو ذکر آیا ہے، اس کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ لوگوں کے دلوں سے انبیاء علیہم السلام کا اعتماد اٹھ جائے اور وہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ جب انبیا بھی انہیں کی طرح نعوذ باللہ غلط کار ہیں تو ان کے احکام کی اطاعت اور ان کی روش کی پیروی کامل اطمینان کے ساتھ کیسے کی جا سکتی ہے۔ بلکہ اس ذکر سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ہوائے نفس کا اتباع کرنے یا اپنی رائے اور بشری اجتہاد پر چلنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑ دیا ہے۔ وہ چونکہ اس کی طرف سے اس کے بندوں کی رہنمائی کے لیے مامور کیے گئے ہیں، اس لیے اس نے ان پر یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ دائماً اس کی ہدایت پر کاربند رہیں، اور اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی اس کی رضا کے خلاف عمل نہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بعض ایسی باتوں پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے جو عام انسانی زندگی میں قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ مثلاً کسی انسان کا شہد کھانا یا نہ کھانا، اور کسی اندھے کی طرف توجہ نہ کرنا اور اس کے دخل در معقولات پر چیں بجبیں ہونا، یا کسی کے لیے دعائے مغفرت کرنا کونسا ایسا اہم واقعہ تھا۔ مگر اللہ نے اپنے نبی کو ایسے چھوٹے معاملات میں بھی اپنی رائے یا دوسروں کی مرضی پر چلنے نہ دیا۔ اسی طرح جنگ کی شرکت سے کسی کو معاف کر دینا، اور بعض قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا ایک امیر کی زندگی میں محض ایک معمولی واقعہ ہے۔ مگر نبی کی زندگی میں یہی واقعہ اتنا اہم بن جاتا ہے کہ اس پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ کیوں؟

اس لیے کہ اللہ کے نبی کی حیثیت عام امرا کی سی نہیں ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں آزاد ہو بلکہ منصب نبوت پر مامور ہونے کی وجہ سے نبی کے لیے لازم ہے کہ اس کا اجتہاد بھی ٹھیک ٹھیک وحی الٰہی کے مطابق ہو۔ اگر وہ اپنے اجتہاد میں وحی خفی کے اشارے کو نہ سمجھ کر مرضی الٰہی کے خلاف بال برابر بھی جنبش کرے تو اللہ تعالیٰ وحی جلی سے اس کی اصلاح کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

۴۔ اللہ نے اپنے نبی کی اس خصوصیت کو ہمارے سامنے اسی لیے بیان فرمایا ہے کہ ہم کو اس کے نبی کی راست روی پر کامل اعتماد ہو، اور ہم پورے وثوق کے ساتھ یقین رکھیں کہ نبی کا قول اور عمل گمراہی اور کج راہی اور اتباع ہوا اور بشری فکر و رائے کی غلطیوں سے قطعاً محفوظ ہے اور زندگی میں اس کا قدم مضبوطی کے ساتھ اس صراط مستقیم پر جما ہوا ہے جو ٹھیک ٹھیک خدا کی بتائی ہوئی ہے۔ اور اس کی سیرت پاک اسلامی سیرت کا ایک ایسا معیاری نمونہ ہے جس میں کسی نقص کا شائبہ تک نہیں ہے، اور اللہ نے خاص طور پر اس کامل و اکمل نمونہ کو اسی لیے بنایا ہے کہ اس کے بندوں میں سے جو کوئی اس کا مقبول و محبوب بندہ بننا چاہے وہ آنکھ بند کر کے اسی نمونہ کی پیروی کرے۔ اس مقصد کو چھٹی اور ساتویں آیت میں کھول دیا گیا ہے۔ چھٹی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ میں ایک اُسوۂ حسنہ ہے، اور ساتویں آیت میں رسول اللہ کے اتباع کو محبوب الٰہی بننے کا واحد ذریعہ بتایا گیا ہے۔ یہاں پھر ہم کو کسی قسم کی تخصیص و تحدید نظر نہیں آتی۔ صریح تعمیم و اطلاق سے رسول اللہ کی ذات کو مطلقاً اسوۂ حسنہ بتایا گیا ہے، اور مطلقاً آپ کے اتباع کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس قدر زیادہ آپ کا اتباع کرو گے، اور اپنی زندگی میں سیرت پاک کا رنگ جتنا زیادہ پیدا کرو گے، اتنا ہی تقرب تم کو بارگاہ الٰہی میں حاصل ہوگا، اور حق تعالیٰ اتنا ہی تم کو پیار کرے گا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ قرار دینے اور آپ کے اتباع کا عام حکم دینے سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے جو کچھ کیا اور جس طرح کیا، لوگ بھی بعینہ وہی فعل اسی طرح کریں، اور اپنی زندگی میں آپ کی حیات طیبہ کی ایسی نقل اتاریں کہ اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ رہے۔ یہ مقصد نہ قرآن کا ہے،

نہ ہو سکتا ہے۔ دراصل یہ ایک عام اور اجمالی حکم ہے جس پر عمل کرنے کی صحیح صورت ہم کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی تعلیم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ سے معلوم ہو جاتی ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں
مجملاً میں عرض کرتا ہوں کہ جو امور براہ راست دین اور شریعت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں تو حضور کے احکام
کی اطاعت اور آپ کے عمل کی پیروی طابق النعل بالنعل کرنی ضروری ہے۔ مثلاً نماز روزہ حج زکوٰۃ اور
طہارت وغیرہ مسائل کہ ان میں جو کچھ آپ نے حکم دیا ہے اور جس طرح خود عمل کرکے بتایا ہے اس کی ٹھیک
ٹھیک پیروی کرنی لازم ہے۔ رہے وہ امور جو براہ راست دین سے تعلق نہیں رکھتے، مثلاً تمدنی معاشی اور
سیاسی معاملات، اور معاشرت کے جزئیات، تو ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا حضور نے حکم دیا ہے یا
جن سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے بعض ایسی ہیں جن میں حضور نے حکمت اور نصیحت کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں،
اور بعض ایسی ہیں جن میں حضور کے طرز عمل سے ہم کو مکارم اخلاق اور تقویٰ و پاکیزگی کا سبق ملتا ہے، اور
ہم آپ کے طریقہ کو دیکھ کر یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ عمل کے مختلف طریقوں میں سے کونسا طریقہ روح اسلامی سے
مطابقت رکھتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ حضور کا اتباع کرنا چاہے، اور اسی غرض سے
آپ کی سنت کا مطالعہ کرے تو اس کے لیے یہ معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ کن امور میں آپ کا اتباع طابق
النعل بالنعل ہونا چاہیے، اور کن امور میں آپ کے ارشادات اور اعمال سے اصول اخذ کرکے قوانین وضع
کرنے چاہئیں، اور کن امور میں آپ کی سنت سے اخلاق و حکمت اور خیر و صلاح کے عام اصول مستنبط کرنے
چاہئیں۔ مگر جن لوگوں کی طبیعت نزاع پسند واقع ہوئی ہے وہ اس میں طرح طرح کی حجتیں نکالتے ہیں کہتے ہیں کہ رسول
اللہ عربی بولتے تھے تو کیا ہم بھی عربی بولیں؟ آپ نے عرب عورتوں سے شادیاں کیں تو کیا ہم بھی
عربوں ہی میں شادیاں کریں؟ آپ ایک خاص وضع کا لباس پہنتے تھے تو کیا ہم بھی ویسا ہی لباس پہنیں؟ آپ ایک خاص
قسم کی غذا کھاتے تھے تو کیا ہم بھی وہی غذا کھائیں؟ آپ کی معاشرت کا ایک خاص طریقہ تھا تو کیا ہم بھی بعینہ ویسی ہی معاشرت
اختیار کریں؟ کاش یہ لوگ غور کرتے کہ اصل چیز وہ زبان نہیں جو آپ بولتے تھے بلکہ وہ اخلاقی حدود ہیں جن کی پابندی کو حضور نے

میں ملحوظ رکھا۔ اصل چیز یہ نہیں کہ شادی عرب عورت سے کی جائے یا غیر عرب سے، بلکہ یہ ہے کہ جس عورت سے بھی کی جائے اس کے ساتھ ہمارا معاملہ کیسا ہو؟ اس کے حقوق ہم کس طرح ادا کریں؟ اور اپنے جائز شرعی اختیارات کو اس پر کس طرح استعمال کریں؟ اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو برتاؤ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ تھا اس سے بہتر نمونہ ایک مسلمان کی خانگی زندگی کے لیے اور کونسا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کس نے کہا کہ آپ جس وضع کا لباس پہنتے تھے وہی مشروع لباس ہے۔ اور جو کھانا آپ کھاتے تھے بعینہ وہی کھانا ہر مسلمان کو کھانا چاہیے۔ اصل میں اتباع کے قابل جو چیز ہے وہ تو تقوی اور پاکیزگی کے وہ حدود ہیں جو آپ اپنے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں ملحوظ رکھتے تھے انہی حدود سے ہم کو معلوم ہو سکتا ہے کہ رہبانیت اور نفس پرستی کے درمیان جس معتدل روش کا ہم کو قرآن میں ایک مجمل سبق دیا گیا ہے اس پر ہم کس طرح عمل کریں کہ نہ تو طیبات سے نار وا اجتناب ہو اور نہ اسراف۔ یہی حال حضور کی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کے دوسرے تمام معاملات کا بھی ہے، وہ آپ کی زندگی پوری کی پوری ایک سچے اور خدا ترس مسلمان کی زندگی کا معیاری نمونہ تھی۔ حضرت عائشہؓ نے سچ فرمایا کہ کانَ خلقہ القرآن۔ اگر تم کو معلوم کرنا ہو کہ قرآن کی تعلیم اور اسپرٹ کے مطابق ایک مومن انسان کو دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے، تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھو، جو اسلام خدا کی کتاب میں مجمل ہے وہی رسول خدا کی ذات میں تم کو مفصل نظر آئے گا۔

الحمد للہ کہ ہمارے دوست چوہدری غلام احمد صاحب ان لوگوں کے ہم خیال نہیں ہیں، مگر بعض احادیث سے ان کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ حضور ہر آن اور ہر حال میں رسول نہیں ہوتے تھے اور آپ کا ہر قول اور ہر فعل بہ حیثیت رسول ہی نہیں ہوتا تھا"۔ یہ غلط فہمی جن روایات سے پیدا ہوئی ہے وہ دراصل ایک دوسری حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول ہی تھے، اور یہ شان رسالت ہی تھی کہ آپ ہمیشہ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے جس کے لیے

آپ کو بھیجا گیا تھا۔ آپ کی بعثت کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ لوگوں سے رائے اور عمل کی آزادی قطعاً سلب کرلیں اور ان کی عقل و فکر کو معطّل کردیں۔ نہ آپ دنیا کو زراعت اور صنعت و حرفت سکھانے آئے تھے۔ نہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ لوگوں کے کاروبار اور ان کے ذاتی معاملات میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ آپ کی زندگی کا مقصد صرف ایک تھا، اور وہ اسلام کو عقیدہ کی حیثیت سے دلوں میں بٹھانا اور عمل کی حیثیت سے افراد کی سیرت اور سوسائیٹی کے نظام میں نافذ کردینا تھا۔ اس مقصد کے سوا کسی چیز کی طرف حضور نے کبھی توجہ نہیں فرمائی، اور اگر شاذ و نادر کسی موقع پر کچھ فرمایا بھی تو صاف کہدیا کہ تم اپنی رائے اور عمل میں آزاد ہو، جس طرح چاہو کرو۔ انتم اَعلم بامور دنیاکم۔ اگرچہ صحابۂ کرام آپ کے ہر ارشاد کو رسول کا ارشاد سمجھ کر بدل و جان اس کی اطاعت پر آمادہ تھے، اور آپ کو مطلقاً مطاع و متبوع سمجھتے تھے، اور اسی لیے جب کبھی حضور کسی دنیوی مسئلہ میں کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ کو شُبہ گذرتا تھا کہ شاید یہ حکم رسالت ہو، لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ نے کسی ایسے مسئلہ میں جو آپ کے مقصد بعثت سے متعلق نہ تھا، صحابہ کو کوئی حکم دیا ہو اور انہیں اطاعت پر مجبور کیا ہو۔ ۲۳ سال کی طویل مدت میں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے مشن سے غافل نہ ہونا، اور ہر آن اس باریک فرق کو ملحوظ رکھنا کہ کونسا امر اس مشن سے تعلق رکھتا ہے اور کونسا نہیں رکھتا، اور اپنے متبعین پر کامل اقتدار رکھنے کے باوجود کبھی ان کو کسی غیر متعلق امر میں حکم نہ دینا، خود اس بات پر شاہد ہے کہ شانِ رسالت کسی وقت بھی حضور سے منفک نہ ہوتی تھی۔ مگر یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ دنیوی معاملات میں جو کچھ حضور نے فرمایا وہ خدا کی وحی سے نہ تھا۔ اگرچہ آپ کے ایسے ارشادات آپ کے احکام نہیں ہیں، نہ آپ نے ان کو حکم کے انداز میں فرمایا، اور نہ کسی نے ان کو حکم سمجھا، مگر پھر بھی جو بات آپ کی زبان مبارک سے نکلی وہ سراسر حق تھی، اور غلطی کا اس میں شائبہ تک نہ تھا۔ مثال کے طور پر طب نبوی کے باب میں جو کچھ آپ سے ثابت ہے وہ ایسی ایسی حکیمانہ باتوں سے لبریز ہے جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ عرب کا اُمّی جو طبیب نہ تھا، جس نے کبھی فنِ طب

کی تحقیق نہ کی تھی، وہ کس طرح اس فن کی ایسی حقیقتوں تک پہنچا جو صدیوں کے تجربات کے بعد اب منکشف ہو رہی ہیں۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہم کو حضور کے حکیمانہ ارشادات میں ملتی ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں بقول آپ کے تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں، مگر اللہ اپنے رسولوں کی جبلت میں جو غیر معمولی قوتیں ودیعت فرماتا ہے وہ صرف تبلیغ رسالت ہی کے کام نہیں آتیں، بلکہ ہر معاملہ میں اپنی شان امتیاز دکھا کر رہتی ہیں۔ حدادی اور زرہ سازی کا تبلیغ رسالت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ مگر حضرت داؤد اس میں غیر معمولی کمال دکھاتے ہیں اور حق تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ یہ فن ہم نے ان کو سکھایا تھا۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ (۲۱ : ۶)۔ پرندوں کی بولیاں جاننے سے تبلیغ رسالت کو کیا واسطہ؟ مگر حضرت سلیمان اس میں کمال ظاہر فرماتے ہیں اور خود کہتے ہیں کہ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (۲۷ : ۲) نجاری اور کشتی سازی تبلیغ رسالت کا کونسا شعبہ ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے یہ نہیں کہتا کہ ایک مضبوط سی کشتی بنوالو بلکہ فرماتا ہے وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (۱۱/۴)

پس انبیاء کے حق میں یہ گمان کرنا صحیح نہیں کہ ان پر صرف وہی امور وحی کئے گئے جو براہ راست تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ درحقیقت ان کی ساری زندگی حق تعالیٰ کی ہدایت کے تابع ہے۔ البتہ اگر فرق ہے تو یہ کہ ان کی زندگی کا ایک شعبہ ایسا ہے جس میں ان کے قدم بقدم چلنا مسلمان ہونے کے لیے ناگزیر شرط ہے، اور ایک شعبہ ایسا ہے جس میں ان کا اتباع ہر مسلمان پر فرض نہیں، مگر جو شخص اللہ کا محبوب و مقبول بندہ بننا چاہتا ہو اور بارگاہ حق میں تقرب کا طلبگار ہو، اس کے لیے بغیر اس کے چارہ نہیں کہ ٹھیک ٹھیک نبی کی سنت پر چلے، حتی کہ اگر ایک سر مو بھی اس خط مستقیم سے ہٹے گا تو تقرب اور محبوبیت میں اسی انحراف کی حد تک کسر رہ جائے گی۔ اس لیے کہ محبوبیت کے لیے بجز اتباع نبی کے اور کوئی راستہ ہی نہیں۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

۵۔ اس بحث کے بعد یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کی امارت اور دوسرے امیروں

کی امارت میں کیا فرق ہے، اور نبی کے فیصلے اور دوسرے قاضیوں کے فیصلے میں کتنا عظیم الشان تفاوت ہے۔ تاہم میں نے تین آیتیں ایسی نقل کی ہیں جن سے یہ فرق قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے حکم پر سر جھکا دینا اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرنا ایمان کے لیے ضروری شرط ہے۔ جو اس سے انکار کرے وہ مومن ہی نہیں۔ کیا یہ بات کسی دوسرے امیر یا قاضی کو حاصل ہے؟ اگر نہیں تو یہ کہنا کس قدر غلط ہے کہ "اللہ اور رسول کے الفاظ قرآن میں جہاں جہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں ان سے مراد امارت ہے"۔ مجھے مولانا جیراجپوری کے اسی قول پر اعتراض ہے اور میں اس کو قرآن مجید کی تعلیم کے قطعاً خلاف سمجھتا ہوں۔ رہا دوسرا مسئلہ جو خود چوہدری صاحب نے پیش فرمایا ہے تو وہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے اور اس میں مجھے ان سے بالکل اتفاق ہے۔ میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اولی الامر کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے، اور اولی الامر اسلامی حکومت کے وہ تمام فرائض انجام دیں گے جو رسول اکرمؐ اپنی حیات طیبہ میں انجام دیتے تھے، اور معاملات میں اولی الامر کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوگا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی دانست میں ان کے فیصلہ کو حکم خدا و رسول کے خلاف بھی سمجھتا ہو تب بھی ایک حد خاص تک اس کے لیے لازم ہوگا کہ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے ان کے فیصلہ کو تسلیم کرلے۔ لیکن اس کے یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے کہ امارت بعینہٖ وہی چیز ہے جس کو قرآن میں "اللہ اور رسول" کہا گیا ہے، اور امارت کے احکام ہو بہو وہی ہیں جو اللہ اور رسول کے احکام ہیں۔ اگر ایسا ہو تو امرا کے بگڑ جانے اور ارباب حل وعقد کے کتاب و سنت سے منحرف ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں کے لیے کوئی چارہ ان کی اطاعت کرنے اور ہلاکت کے راستوں میں ان کی پیروی کرنے کے سوا باقی ہی نہ رہے گا۔ ایسی صورت میں اگر کوئی بندۂ خدا اٹھے اور امرا کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کرے تو مولانا اسلم کے فتوے کی رو سے تو امرا اس کو باغی قرار دے کر قتل کر دینے میں بالکل حق بجانب قرار پائیں گے" اور ان کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ اللہ اور رسول تو ہم ہی ہیں، دوسرا کون ہے جس کی طرف تم کو پھیرنا چاہتا ہے۔